بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

اشتیاق احمد ظلی

عالمی سطح پر فکری رویوں اور علمی تحقیقات کی سمت کا جائزہ لیا جائے تو صاف طور سے محسوس ہوگا کہ گذشتہ کچھ برسوں میں اسلام اور اس کے پیش کردہ تصور کائنات اور نظامِ حیات کو سنجیدہ غور و فکر کا موضوع بنانے کا رجحان بڑھا ہے اور ان موضوعات سے متعلق علمی و تحقیقی محاذ پر نمایاں پیش رفت ہوئی ہے تہذیب انسانی کے ارتقاء علوم و معارف کی ترویج و توسیع اور انسانیت کے تحفظ و بقا کے سلسلہ میں اسلام کے تاریخی کردار کا اعتراف اب کوئی نادر واقعہ نہیں رہ گیا ہے اور ان محققین کی تعداد میں محسوس اضافہ ہوا ہے جو تاریخ انسانی پر اسلام کے عظیم الشان احسانات کے اقرار و اظہار میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اس صورتِ حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پرانے تحفظات اور تعصبات گو یکسر معدوم تو نہیں ہو گئے ہیں البتہ ان کی شدت میں کمی ضرور آئی ہے اور بہت سے علمی حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں رویوں میں تبدیلی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسلامی دنیا میں رونما ہونے والے بعض حالات و واقعات بھی ان رجحانات کی تقویت کے باعث ہوئے ہیں مختلف اسلامی ملکوں کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کے نتیجہ میں صدیوں کی محکومی کے بعد سامراجیت کے پنجہ استبداد سے رہائی اور خود مختار مسلم حکومتوں کے قیام اور ان کی جغرافیائی و فوجی اہمیت نیز ان ملکوں میں پائے جانے والے وسائل نے قوموں کی برادری میں ان کو ایک نمایاں مقام پر فائز کر دیا ہے اور انکے مذہب، تاریخ اور تہذیب و تمدن کو سمجھنے اور ان سے واقفیت حاصل کرنے کی اہمیت اب محض علمی دلچسپی تک محدود نہیں رہ گئی ہے بلکہ وقت کی ایک بڑی ضرورت بن گئی ہے۔ لیکن ان سب عوامل سے بھی زیادہ جس چیز نے اسلام کو دنیا بھر میں بحث و نظر کا موضوع بنا دیا ہے وہ عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے اٹھنے والی اسلامی تحریکات ہیں جنکا مقصد اگر ایک طرف مسلم معاشرہ کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کے مطابق انکی تعمیر نو ہے تو دوسری طرف آج کی مادی کشاکش میں گرفتار دنیا کو اسلام کے ابدی پیغام سے روشناس کرانا ہے جس کی

پیروی ہی میں اس کی نجات اور انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے۔ یہ تحریکات بڑی کامیابی سے اسلامی تصور حیات و کائنات کو مدلل علمی انداز اور عصری اسلوب میں دنیا میں رائج مختلف النوع نظریات اور نظامہائے حیات کے متبادل کے طور پر پیش کر رہی ہیں۔ چوں کہ اسلام انسانی فطرت کی پکار ہے اور انسانیت درماندگی اور شکستگی کی اس منزل میں ہے جہاں اسے ہمیشہ سے زیادہ کسی نسخۂ کیمیا کی شدید ضرورت ہے اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت و اہمیت کا احساس بڑھا ہے اور مادیت کی تمام تر جاذبیت اور اسلام کے خلاف طویل اور زہرآلود پروپیگنڈہ کے باوجود دنیا کے مختلف گوشوں میں قابل لحاظ تعداد میں لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

ظاہر ہے اسلام کو سمجھنے کی کوششوں کا نقطۂ آغاز ناگزیر طور پر قرآن مجید کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا جو اسلام کی اساس ہے۔ قرآن مجید سے متعلق روز افزوں لٹریچر اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے اور اس کا کسی حد تک اندازہ اسی شمارہ میں شائع ہونے والے ورلڈ مسلم بک ریویو کے قرآن نمبر پر تبصرہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اس لٹریچر میں کسی ایک رجحان کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ توقع کی جا سکتی ہے اس میں مخلصانہ، ہمدردانہ، ناقدانہ اور یکسر معاندانہ غرض سبھی نقطہ ہائے نظر کا انعکاس پایا جاتا ہے۔ اہم بات بہرحال یہ ہے کہ قرآن مجید پر اور ساتھ ہی ساتھ اسلامیات کے دوسرے موضوعات پر غور و فکر کا دائرہ وسیع ہوا ہے اور بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے اثرات کا نفوذ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک ہوگا اور اس کے مثبت نتائج مرتب ہوں گے۔

یقینی طور پر یہ صورت حال ان لوگوں کے لیے خوش آئند نہیں ہو سکتی جو قرآنی تعلیمات اور اس کے زیر اثر برپا ہونے والے انقلاب کو اپنے مفادات کے لیے مضر تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ قرآنی فکر کی توسیع ان کے اپنے خود ساختہ فلسفۂ حیات اور اس کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہونے والی تہذیب کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوگی اور اس کے نتیجہ میں اس نظام کے تار پود بکھر جائیں گے جس پر ان کی خوش حالی اور حکمرانی کی بنیاد ہے۔ یہ طبقہ کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر دور اور ہر جگہ پایا جاتا ہے اور چونکہ بالعموم عنان اقتدار اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لیے وہ ان تمام تر وسائل کو جو اس کی دسترس میں ہوتے ہیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ دور حاضر

میں ان وسائل میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے اور ذرائع ابلاغ کی وسعت نے اس طبقہ کے ہاتھ میں ایک نہایت طاقتور اور موثر ہتھیار دیدیا ہے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف اسلام کو سمجھنے اور قرآنی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنے کی سنجیدہ کوششیں ہو رہی ہیں وہیں دوسری طرف اس عمل کو روکنے کے لیے ہر ممکن جدوجہد کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں وہ طاقتیں سرگرم عمل ہوگئی ہیں جن کے درمیان اسلام دشمنی کے علاوہ کوئی اور قدر مشترک نہیں پائی جاتی چنانچہ قرآن مجید کے خلاف اس وقت ایک منصوبہ بند، کثیر الجہات اور ہمہ گیر مہم جاری ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام دشمن طاقتیں کن پستیوں تک جا سکتی ہیں اس کا کسی قدر اندازہ ابھی حال میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ملبوسات سازی کی ایک آسٹریائی کمپنی نے خواتین کے زیر جامہ پر قرآنی آیات کو چھاپنے کی جسارت کی اور دیدہ دلیری کا عالم یہ ہے کہ اسے بعض عرب ممالک کو برآمد کیا گیا۔ ان تمام مساعی کا مقصد قرآن مجید کی اہانت، اس کے خلاف بدگمانیاں پھیلانا، اس کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر اور سیاق وسباق سے ہٹا کر پیش کرنا اور یہ باور کرانے کی کوشش کرنا ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ ایک انسانی تخلیق ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کی مقبولیت اور اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکا جا سکے۔ ظاہر ہے اگر قرآن مجید کے خلاف شک وشبہ پیدا کر دیا جائے تو باقی کام چنداں مشکل نہیں رہ جاتا۔

قرآن دشمنی کی اس مہم سے ہندوستان بھی محفوظ نہیں بلکہ بعض مخصوص تاریخی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے یہاں اس میں کچھ زیادہ ہی شدت ہے۔ یہاں یہ کام دو مختلف سطحوں پر ہو رہا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں ایک ہی مشترکہ مہم کا حصہ ہیں اور ایک دوسرے کے لیے تکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک سطح تو نیشنل پریس کی ہے جہاں ارون شوری جیسے نام نہاد دانشوروں نے قرآن مجید کے خلاف ایک باضابطہ مہم چلا رکھی ہے جس کا مقصد ملک میں رہنے بسنے والے مختلف فرقوں کے دل ودماغ میں قرآن مجید، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کرنا ہے اور انہیں یہ باور کرانا ہے کہ قرآن دوسرے مذاہب کی اہانت کرتا ہے، ان کے بزرگوں کی توہین کرتا ہے، بتوں کو توڑنے اور مندروں کو مسمار کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس طرح فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو درہم برہم کرتا اور تشدد کو ہوا دیتا ہے۔ علمی تحقیق کے نام پر یہ بے سروپا باتیں کثیر الاشاعت اخبارات اور رسائل میں شائع ہو رہی ہیں اور اس طرح ملکی آبادی کے پڑھے لکھے حصے کو منظم طریقے سے قرآن مجید اور اسلام کے خلاف بدگمان

کیا جا رہا ہے اور ان کے ذہن کو بتدریج مسموم کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کا ردّ عمل اور حقیقت واقعہ کی وضاحت بالعموم اس طبقہ تک نفوذ نہیں کر پاتی اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔

دوسری سطح پر جو کچھ کیا گیا وہ دراصل اس ملک میں مذہبی رواداری کے محاذ پر نہایت تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال کا آئنہ دار تھا۔ اس ملک کی تاریخ میں غالباً پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ ۱۹۸۵ء میں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ قرآن مجید پر پابندی لگانے اور اس کے تمام نسخوں کو بشمول تراجم ضبط کرانے کی کوشش کی گئی۔ کلکتہ ہائی کورٹ میں چاندمل چوپڑہ نے جو مقدمہ دائر کیا تھا وہ اس ملک میں فسطائی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کا غماز ہے۔ اس ملک کا عدالتی ضمیر اعلیٰ سطح پر ابھی بیدار ہے اور ارباب اقتدار کو ایسی کوششوں کے نتائج اور ان کی سنگینی کا کسی حد تک احساس ہے اس لیے یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی اور ملک ایک بہت بڑے بحران سے بچ گیا۔ یہ بات بہر حال یاد رکھنی چاہیے کہ ایک جج نے اسے عدالتی چارہ جوئی کے لیے منظور کیا ورنہ اس مقدمہ کی نوبت نہ آتی۔ چنانچہ جسٹس باسک نے اپنے تاریخی فیصلہ میں' جس کی مختصر روداد اسی شمارہ میں پیش خدمت ہے' اس امر پر اپنی حیرت اور ناگواری کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا ہے کہ اس درخواست کو آخر درخور اعتنا سمجھا ہی کیوں گیا اور پہلی پیشی کے وقت ہی اسے خارج کیوں نہیں کر دیا گیا۔ عدالتوں کی بے احتیاطی اور جانبداری سے کیسے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔

اگرچہ عام احساس یہ ہے کہ یہ کوشش ناکام ہو گئی اور یہ سازش اپنی موت آپ مر گئی لیکن جن لوگوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا تھا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا بنیادی مقصد حاصل ہو گیا اور غالباً وہ ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ چنانچہ مسٹر سیتا رام گوئل جس نے کلکتہ مقدمہ کی پوری روداد کو اپنے مفصل مقدمہ کے ساتھ THE CALCUTTA QURAN PETITION BY CHANDMAL CHOPRA (VOICE OF INDIA, 2/18 ANSARI ROAD, DELHI 1986) کے نام سے شائع کیا ہے اس کا یہی خیال ہے۔ اپنے طویل مقدمہ میں وہ ایک عنوان قائم کرتا ہے THE PETITION HAS SERVED A GREAT PURPOSE (P. lxxv) "مقدمہ سے ایک بڑا مقصد حاصل ہو گیا" اور پھر لکھتا ہے کہ 'چاندمل چوپڑہ نے اس مقدمہ کے ذریعہ جو سب سے بڑا کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہندؤں کی توجہ ایک ایسے اہم کام کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب

ہو گئے ہیں جس کی طرف وہ متوجہ نہیں تھے اور جس کی وجہ سے انہیں بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک اور جگہ (P.lxxxv) وہ ہندوؤں کو اس سلسلہ میں ہائی کورٹ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتا ہے" جو قانون ہندوؤں کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ قرآن کو عوامی سطح پر موضوع بحث بنا سکیں دراصل ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جو بزور تلوار ان کے اوپر مسلط کی گئی تھی۔ یہ مطلق العنان قانون جب تک موجود ہے اس وقت تک عدالتیں بھی اس سلسلہ میں چنداں مفید مطلب نہیں ہو سکتیں۔ ہندوستان کی باخبر رائے عامہ کو اس قانون کو ختم کرانے کی ذمہ داری اٹھانی ہے۔ ہندوستان ایک جمہوریت ہے، جہاں اسلام کی تلوار کی دھونس نہیں چلتی"۔ قرآن دشمن طاقتوں کے عزائم اور مستقبل کے منصوبوں کا کسی حد تک اندازہ ان بیانات سے کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ ان کوششوں میں مصروف ہیں غالباً وہ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ اس کے باوجود چونکہ اس طرح وہ اس معاملہ کو ایک مسئلہ کے طور پر زندہ رکھنے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنے خیالات کو پہونچانے اور ان کو اپنا ہم نوا بنانے کی امید رکھتے ہیں اس لیے وہ اسے سعی لاحاصل نہیں سمجھتے۔

عالمی پیمانے پر جو سازشیں قرآن مجید کے خلاف ہو رہی ہیں ان میں اپنے اثرات اور نتائج کے لحاظ سے غالباً سب سے زیادہ سنگین رشاد خلیفہ کا قرآن مجید کے عددی اعجاز کا شاخسانہ ہے۔ رشاد خلیفہ نے اپنے مضامین اور کتابوں میں پہلے پہل جب قرآن مجید کے عددی اعجاز کے سلسلہ میں کمپیوٹر کے ذریعہ کی گئی اپنی نام نہاد تحقیقات کو پیش کیا اور قرآن مجید کے اپنے دریافت کردہ عددی نظام میں انیس (۱۹) کے عدد کی بنیادی اہمیت کی بات کہی تو بالعموم مسلمانوں نے اسے بڑے مسرت آمیز استعجاب کے ساتھ قبول کیا اور اسے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی ایک اور نہایت مضبوط دلیل کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ پورے عالم اسلام میں اس کو ایک غیر معمولی کارنامہ کے طور پر سراہا گیا اور بے شمار مقالات و مضامین میں اس "تحقیق" کا استقبال کیا گیا اور جب چار دانگ عالم میں اس تحقیق کا سکہ بظاہر بیٹھ گیا اور رشاد خلیفہ ایک ہیرو کی طرح ابھر کر سامنے آگیا تب اس نے اپنے اصل منصوبہ کو بے نقاب کیا جس کے لیے اتنے دنوں سے اس قدر اہتمام کی تیاری کی جا رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے بھی رشاد اور بھی بہت سے بے تکے دعوے کر چکا تھا۔ مثال کے طور پر اس کا یہ دعوی کہ اس نے اپنے دریافت کردہ عددی نظام کے ذریعہ قیامت برپا ہونے کی صحیح تاریخ متعین کر لی ہے اور یہ بھی ایک

امر واقعہ ہے کہ بہت سے علمی حلقوں میں ڈاکٹر رشاد کے عددی اعجاز کے نظریہ کے سلسلہ میں شروع ہی سے محتاط رویہ اختیار کیا گیا تھا اور اس نظریہ کی کمزوریوں اور اس کے مضمرات کی طرف توجہ بھی دلائی گئی تھی۔ اس کی سب سے واضح مثال دارالافتاء، ریاض کی متعین کردہ کمیٹی کی تحقیقات ہیں۔ یہ کمیٹی ۱۹۷۸ء میں متعین کی گئی تھی۔

رشاد نے اپنے رسالہ ISLAMIC PERSPECTIVE کے مارچ ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں اپنے اس منصوبے کی ابتدا کی جس کے لیے غالباً اس نے یہ سارا کھٹراگ کھڑا کیا تھا اور جس کی انتہا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہے۔ دعوی یہ تھا کہ کمپیوٹر نے متن قرآن میں تحریف کا پتہ لگایا ہے اور مسلمانوں کو اس تاریخی غلطی کے تدارک کی دعوت دی گئی تھی۔ اس دعوی کے مطابق سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں قرآن مجید کا جزو نہیں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں تدوین قرآن کی پوری تاریخ زیر بحث آئی اور تورات کی تحریفات پر بھی بحث کی گئی۔ من جملہ اور دلائل کے جنہیں رشاد خلیفہ نے اس ضمن میں پیش کیا ایک دلیل یہ بھی تھی کہ یہ آیات اس عددی نظام سے میل نہیں کھاتیں جس کی دریافت ۱۴۰۰ سال سے ایک سربستہ راز تھی اور جس کا سراغ اس نے لگایا ہے۔

دیکھا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقانیت، اس کی محفوظیت اور حتمیت کے غیر متزلزل ایمان و یقین میں کس شاطرانہ مہارت اور چابکدستی سے رخنہ اندازی کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے لیے کیا کیا پیش بندیاں کی گئیں۔ دو آیات کی بات تو بہت دور کی ہے اگر قرآن مجید کا کوئی ایک لفظ معرض شک میں آجائے تو پھر ظاہر ہے پورا قرآن معرض شک میں آجاتا ہے۔ دشمنانِ اسلام کی یہی سب سے بڑی آرزو رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں قرآن مجید کی نسبت سے شک وشبہ پیدا کردیں لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس کوشش میں وہ ہمیشہ ناکام ونامراد رہے ہیں۔ رشاد خلیفہ کی اس "تحقیق" کے بعد مسلمانوں کو بالعموم اس دامِ ہمرنگ زمین کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا لیکن پھر بھی اس کی تشہیر اس حد تک نہیں ہوسکی جتنی کہ ہونی چاہیے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عددی اعجاز کی بازگشت اب بھی کہیں کہیں سنائی دے جاتی ہے۔

قرآن مجید پر تازہ ترین حملہ 'شیطانی آیات' (SATANIC VERSES) کی صورت میں ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ ہندوستانی نژاد، برطانوی متوطن سلمان رشدی کے ناول کا نام ہے جس میں

قرآن مجید، حضور رسالتمآبؐ، امہات المومنینؓ اور اسلام کے بارے میں نہایت نارو ا اور رکیک حملے کیے گئے ہیں بشمول ہندوستان متعدد ممالک نے اس دلآزار کتاب کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ حکومت ہند نے اس معاملہ میں مسلمانوں کے جذبات کا احترام کیا جیسا کہ ایک جمہوری حکومت سے توقع کی جاتی ہے اگرچہ نیشنل پریس اور نام نہاد دانشوروں اور آزادی فکر و اظہار کے علمبرداروں نے اس فیصلہ کے خلاف زبردست محاذ کھڑا کر دیا اور اسے آزادی فکر پہ ایک بڑا حملہ قرار دیا۔ اس حلقہ کی طرف سے جس شد و مد سے اس پابندی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور جس طرح اس دلآزار کتاب کی وکالت کی گئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بات صرف ایک کتاب کی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کچھ اور مقاصد کارفرما ہیں۔ اس ملک میں کسی کتاب کو ممنوع قرار دیے جانے کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے لیکن اس سے پہلے کبھی ایسے غیض و غضب کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے اس کتاب کی توسیع و اشاعت سے اسلام دشمن عناصر کو تقویت پہونچتی اور اسی لیے اس کی ممانعت پر اتنا غم و غصہ ہے۔

اس ناول کے سلسلہ میں جو تلخ مباحثہ اب تک جاری ہے اس سے اس کے بنیادی مباحث کے بارے میں ضروری باتیں سامنے آگئی ہیں۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المومنینؓ کی مقدس و محترم شخصیات نیز اللہ کی کتاب کو کسی ناول کا موضوع بنانا خود ہی بہت بڑی جسارت ہے اور پھر اس سلسلہ میں رشدی نے جس دیدہ دلیری اور گستاخی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال بدترین دشمنان اسلام کی تحریروں میں بھی ملنا مشکل ہے۔ نبی اکرمؐ کے لیے جو گستاخانہ الفاظ عہد وسطی میں معاندین اسلام نے وضع کیے تھے اور جو ایک زمانہ سے متروک تھے ان کا نہایت بے باکانہ استعمال کیا گیا ہے اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ وہ علماء پر (جنہیں وہ TRIBE OF CLERICS کے نام سے موسوم کرتا ہے) فکری پہریدار (THOUGHT POLICE) کی پھبتی کستا ہے۔ اسے ان لوگوں سے سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ "ان لوگوں نے محمد (ص) کو انسان کامل کا روپ دیدیا ہے، ان کی زندگی کو بے عیب اور وحی کو ایک واضح اور غیر مبہم واقعہ کی شکل دیدی ہے جو درحقیقت وہ نہیں تھی" اور اسے اس صورت حال پر بہت تأسف ہے کہ "کوئی محمد (ص) کو ایک انسان کی حیثیت سے معرض بحث میں نہیں لا سکتا جن کے اندر انسانی خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی"۔ واضح ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو نہ تو پیغمبر تسلیم کرتا ہے اور نہ قرآن کو وحی الٰہی۔

کتاب کے نام کے سلسلہ میں جو وضاحت رشدی نے کی ہے اس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ خانہ کعبہ میں نماز کے دوران القائے شیطانی کی بے سروپا داستان کے سلسلہ میں رشدی کا بیان ملاحظہ کیجئے" پھر محمد (م) پر کچھ آیتیں نازل ہوئیں جن میں مکہ کے تین خاص بتوں کو شفاعت کنندہ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا۔ مکہ والوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بعد میں جبرئیل نے محمد (م) سے کہا کہ یہ شیطانی آیات تھیں جنہیں شیطان نے القا کیا تھا اور پھر انہیں قرآن سے نکال دیا گیا۔ جبرئیل نے محمد (م) کو تسلی دی کہ اس سے پہلے ایسے حالات میں اور اسی قسم کے اسباب کے ماتحت پہلے کے پیغمبر بھی اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہو چکے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ محمد (م) کا شیطان کے دھوکے میں آجانا ان کے لیے کوئی عیب کی بات نہیں تھی بلکہ دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جبرئیل نے بھی ایسا ہی محسوس کیا تھا لیکن اس ناول کے مخالفین فرشتوں کی طرح روادار کہاں ہیں؟"

اس طرح رشدی نے بیک قلم صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت اور قرآن مجید کی محفوظیت سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ تمام انبیاء اور کتب سماوی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اگر رشدی کی اس نہایت بھرپور وضاحت کو تسلیم کر لیا جائے تو بات کہاں تک جا پہونچتی ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ اس ناول کے لکھنے سے رشدی کے پیش نظر کیا مقاصد ہیں؟

اس جائزہ سے جو صورت حال ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت قرآن کے پیغام اور اس کی تعلیمات کی توسیع و اشاعت کے امکانات لامحدود ہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں ان امکانات سے واقف بھی ہیں اور اندیشہ مند بھی۔ چنانچہ وہ ان جملہ وسائل کو جو ان کی دسترس میں ہیں اسلامی تعلیمات کی مقبولیت اور وسعت پذیری کی راہیں مسدود کرنے کے لیے بے دریغ استعمال کر رہی ہیں حالات کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گذشتہ دنوں میں قرآن دشمنی کے سلسلہ میں بدترین جرأت اور گستاخی کا مظاہرہ ان لوگوں کی طرف سے ہوا ہے جو نام نہاد مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے۔ اس نئی اسٹریٹجی کے پیچھے قرآن دشمن طاقتوں کے کیا مقاصد ہیں ان کا اندازہ لگانے کے لیے بہت زیادہ دقت نظر کی ضرورت نہیں ہے۔

اس پس منظر میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں غیر معمولی حد تک بڑھ جاتی ہیں۔ اگر وہ اس صورت

حال سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو وہ نااہلی اور فرائض کی ادائگی میں سخت کوتاہی کے مرتکب قرار پائیں گے چنانچہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصیت اور معاشرہ کی تعمیر و تشکیل ان خطوط پر کریں جن کی تعلیم قرآن دیتا ہے۔ جب تک ان کی اپنی زندگی میں قرآنی تعلیمات کا پرتو نظر نہیں آئے گا اور ان کا معاشرہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کی تصویر پیش نہیں کرے گا اس وقت تک ان کی دعوت و تبلیغ میں بھی وہ کشش اور تاثیر پیدا نہ ہوگی جو دوسروں کو متاثر کر سکے۔ اسی ہتھیار سے ہمارے اسلاف نے معاندین اسلام کی تیز و تند یورش پر قابو پایا تھا اور اسی کے ذریعہ آج بھی حالات کے دھارے کا رُخ موڑا جا سکتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ قرآن مجید پر عائد کیے جانے والے الزامات و اتہامات کا مدلل اور بھرپور جواب دیا جائے اور ایسا لٹریچر فراہم کیا جائے جو بدگمانیوں کا پردہ چاک کر دے اور حقیقی صورت حال کو اجاگر کر دے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس لٹریچر کو ان لوگوں کی دسترس تک پہونچانے کا اہتمام کیا جائے جو اس قسم کے گمراہ کن پروپیگنڈہ سے متاثر ہوں یا ہو سکتے ہوں۔ اگر یہ لٹریچر ان لوگوں تک نہ پہونچ سکا اور اسے پڑھ کر ہم خود ہی خوش ہوتے رہے تو یہ محنت اکارت جائے گی اور اس کا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اس قسم کے لٹریچر کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ بہت سے لوگ محض ناواقفیت اور معلومات کی کمی کے باعث قرآن مجید کے خلاف کیے جانے والے بے سروپا پروپیگنڈہ کو حقیقت واقعہ سمجھ لیتے ہیں اور اس پر یقین کر لیتے ہیں لیکن جب انکے سامنے صحیح صورتحال آجاتی ہے تو وہ اسے تسلیم کرنے میں تردد اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اس کی بعض غیر معمولی مثالیں تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہیں۔ ایسے لوگوں تک صحیح اور سچی بات پہونچانا ہمارا فرض منصبی ہے۔

لیکن صرف اعتراضات اور الزامات کا جواب کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنی تعلیمات پر مستقل لٹریچر فراہم کیا جائے جس میں عام فہم اور دلنشین انداز میں قرآن کی بنیادی تعلیمات کو پیش کیا جائے اور انسانیت کو درپیش مختلف النوع مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے قرآن جو حل تجویز کرتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچایا جائے اور اس کے لیے ہر ممکن ذریعہ کو اختیار کیا جائے انسانیت کو اس یقینی تباہی سے بچانے کے لیے جس کی کگار پر آج وہ کھڑی ہے صرف یہی ایک راستہ ہے۔